اصول دعوت اسلام

(۳)

از جناب مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند

تجدد دعوت | مخاطبوں کی اسی رعایت احوال کا یہ بھی تقاضا ہے کہ دعوت وتبلیغ ہر وقت اور ہر روز بلا ناغہ نہ کی جائے ورنہ مخاطب اکتا جائیں گے اور آثار تبلیغ باطل ہو جائیں گے بلکہ درمیان میں وقفے اور ناغے دیکر تبلیغ کو جاری کیا جائے تاکہ ان کا شوق ہر وقت تازہ بتازہ باقی رہے چنانچہ شفیق بلخی فرماتے ہیں کہ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہفتہ میں ہر جمعرات کو وعظ وتذکیر فرمایا کرتے تھے ایک شخص نے عرض کیا کہ اے ابو عبدالرحمٰن کاش آپ ہمیں ہر روز وعظ سنایا کرتے تو حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا۔

واما انہ یمنعنی من ذلک انی اکرہ ان املکم	مجھکو ہر روز وعظ کہنے سے یہ بات منع کرتی ہے کہ میں
وانی اتخول علیکم بالموعظۃ کما کان	تم کو اکتا دینا نہیں چاہتا۔ میں وعظ میں وقفے اسی طرح
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتخولنا بھا	کرتا ہوں جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے
مخافۃ السامۃ علینا (بخاری ومسلم)	اکتا جانے کے ڈر سے وقفے کرتے تھے۔

غور کرو تو یہ مقصد بھی آیت دعوت سے ثابت ہے کیونکہ اس دعوت وتذکیر کا امر اُدْعُ کے صیغہ سے فرمایا گیا ہے جو فعل ہے اور عربیت کے قاعدہ سے فعل تجدد اور حدوث پر دلالت کرتا ہے نہ کہ دوام واستمرار پر۔

ترک غلظۃ وشدۃ | اسی رعایت طبائع کے ماتحت یہ بھی ضروری ہے کہ داعی الی اللہ کا کلام نفرت انگیز مضامین سے پاک ہو اس میں افراد یا جماعتوں پر حملہ نہ ہو توہین آمیز پیرائے نہ ہوں کسی فرد یا جماعت کو اس کا نام لیکر بُرا

بھلا نہ کہا جائے۔ کلام میں تعریض و تلمیح نہ ہو طعن و تشنیع کا رنگ نہ ہو ورنہ ان قبائح پر مشتمل تبلیغ جانبداری یا بد خلقی پر محمول کی جائیگی جس کا اثر کبھی نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے حضور نے حضرت ابو موسیٰ اشعری اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو بطور نصیحت فرمایا تھا۔

بشرا ولا تنفرا و یسرا ولا تعسرا — خوشخبریاں سنانا۔ نفرت مت دلانا۔ آسانی کرنا، سختی مت کرنا، باہم

وتطاوعا ولا تختلفا۔ — متحد و متفق رہنا اختلاف نہ کرنا۔

تاخیر دعوت | پھر اسی رعایت طبائع کے اصول کے ماتحت مبلغ کا یہ بھی فرض ہو گا کہ وہ اپنے مخاطبوں کے احوال پر نظر ڈالکر ان کی آمادگی اور صلاحیت قبول کی بھی جانچ کرے اور تا بحد قبول ہی انھیں تبلیغ احکام کرے حتی کہ اگر ان کی حالت اس وقت ترکِ تبلیغ کی مقتضی ہو تو اس وقت ترک تبلیغ و موعظت ہی کو مصلحت شرعی سمجھے بلکہ ایسی حالت میں یہ ترکِ تبلیغ بھی حکم میں تبلیغ کے ہوگی۔ ورنہ یا آثار قبول ظاہر نہ ہو سکیں گے اور یا مبلغ کی طرف سے سوءِ عقیدت پیدا ہو جائے گی جو آئندہ کی توقعات قبولیت کا راستہ بھی بند کر دیگی۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک از روئے وحی کعبہ کی تعمیر میں حطیم کا حصہ بھی شامل ہونا چاہئے تھا کہ وہ جزءِ کعبہ تھا اور آپ دل سے چاہتے تھے کہ کعبہ کی موجودہ عمارت ڈھا کر اس کی از سر نو تعمیر ہو جس میں حطیم بھی داخلِ عمارت ہو جائے۔ لیکن محض اس مصلحت سے کہ قوم نو مسلم اور جاہلیت سے قریب العہد ہے کہیں اس تخریب و تعمیرِ جدید سے حضور پر یہ الزام نہ لگائے کہ یہ کیسے پیغمبر ہیں جنھوں نے پہلے کعبہ ہی پر ہاتھ صاف کیا اور اس سے سوءِ عقیدت پیدا ہو جائے جو آئندہ ہر ایک تبلیغ اور تسلیم و قبول سے قوم کی محرومی کا باعث ہو آپ نے یہ نئی تعمیر ملتوی فرما دی جس سے واضح ہے کہ مقاصد شرعیہ کے اجراء و تنفیذ میں مخاطبوں کے احوال کی رعایت ناگزیر اور یہ اندازہ لگا لینا ضروری ہے کہ اس مقصد شرعی (مثلاً تبلیغ) کے قبول کرنے پر ان کی طبائع کس حد تک آمادہ ہیں اور فی الحال ان کے سامنے کتنی چیز رکھنی چاہیے۔

اغماض از معصیت | حتی کہ بعض اوقات مخاطب کو ایک صریح معصیت میں مبتلا دیکھتے ہوئے بھی محض اس مصلحت سے

نصیحت ترک کردی جاتی ہے اور معصیت کو ہونے دیا جاتا ہے کہ مخاطب کی حالت قبولِ نصیحت کے مقام پر پہنچی ہوئی نہیں ہوتی۔

صحن نبوی میں ایک اعرابی نے پیشاب کرنا شروع کر دیا صحابہ نے اسے ڈانٹنا دھمکانا چاہا گویا نہی عن المنکر پر آمادہ ہوئے آپ نے سب کو روکدیا اور اعرابی کی اس ناجائز حرکت کو ہونے دیا کہ اس حالت میں روکنے اور دھمکانے سے اس کا پیشاب بند ہو جاتا اور وہ بیمار پڑجاتا اس کی فراغت کے بعد صحن مسجد کو تو پاک کرا دیا اور اسے بلاکر بہت پیار محبت اور نرمی سے فرمایا کہ اے عزیز مساجد اس کام کے لئے نہیں بنائی گئیں ان کا موضوع نماز اور ذکر اللہ ہے اعرابی پر اس طرزِ نصیحت کا غیر معمولی اثر ہوا اور بولا کہ آنحضرت نے نہ مجھکو مارا اور نہ برا بھلا کہا میں نے آپ سے اچھا تو کوئی معلم کبھی دیکھا ہی نہیں۔

شفقت و رحمت نظر کو اور گہرا کیا جائے تو اس رعایت طبائع کی بنیاد شفقت و کرم پر ہے گویا رعایت طبائع کے کلیہ میں سے شفقت اور رحمتِ ربانی کا اصول نکلتا ہے۔ کلیہ میں سے ایک اور عمیق کلیہ نکلتا ہے گویا جس طرح دعوت الی اللہ کے سہ گانہ طرق کی روح رعایت طبائع تھی اسی طرح رعایتِ طبائع کی روح شفقت و رحمت ہے۔ اگر رحمت و شفقت کا اصول سامنے نہ ہو تو رعایت طبائع کی ضرورت ہی نہیں ہو سکتی۔ پس رعایت طبائع باوجود کلیہ ہونے کے شفقت و رحمت کا جزیہ ثابت ہوئی اصل اصول اور وسیع کلیہ رحمت و شفقت رہا اور ظاہر ہے کہ جب جزیہ کسی نص سے ثابت ہوتا ہے تو اس میں چھپا ہوا کلیہ بالاولیٰ اس نص سے ثابت ہو جاتا ہے۔ اس لئے دعوت الی اللہ کے سلسلہ میں مبلغ کے لئے رحمت و شفقت کا اصول بھی اسی آیت سے نکل آیا اور واضح ہو گیا کہ جب تک مبلغ کو اپنے مخاطبوں کے ساتھ شفقت نہ ہو اس کی تبلیغ دلوں میں گھر نہیں کر سکتی۔ اس کا مقتضا یہ ہے کہ مبلغ کی تمامتر ہمت صرف یہی نہ ہونی چاہئے کہ وہ اپنا فریضہ تبلیغ ادا کر کے بری الذمہ ہو جائے اور اس برأت ذمہ ہی کو سب سے بڑا مطمح نظر سمجھ لے۔ خواہ مخاطب سنے یا نہ سنے اور مانے یا نہ مانے۔ نہیں بلکہ اس کے دل میں باپ کی سی شفقت ہونی چاہئے کہ وہ مخاطبوں کے راہِ راست پر آنے کی تدبیریں کرے اور دل میں یہ مقصد ٹھہرائے کہ کسی نہ کسی طرح وہ مخاطب کو ہدایت پر لا کر ہی

مطمئن ہوگا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تبلیغی رحمت و شفقت کو انتہائی حدود تک پہنچا دیا تھا اور جب کوئی ہدایت قبول نہ کرتا تو آپ رنجیدہ ہوتے دل میں کڑھتے اور غمزدہ ہوجاتے حتی کہ حق تعالیٰ کو آتنی غیر معمولی شفقت سے یہ کہکر روکنے کی نوبت آئی کہ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَنْ لَّا یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ۔ کہیں فرمایا لَسْتَ عَلَیْهِمْ بِمُصَیْطِرٍ کہیں فرمایا لَسْتَ عَلَیْهِمْ بِوَكِیْلٍ کہیں فرمایا مَا عَلَی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغُ کہیں فرمایا اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ۔

حاصل یہ کہ اے پیغمبر کڑھنے یا گھٹنے یا غمزدہ رہنے کی ضرورت نہیں۔ آپ ان کے اوپر مسلط نہیں ہیں۔ خدا جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے آپ کا کام تو صرف تبلیغ ہے۔ بہر حال جبکہ مبلغ کے لئے شفقت و رحمت کا اصول اسی آیت سے مستنبط نکلا تو ظاہر ہے کہ شفقت و رحمت کی جسقدر بھی جزئیات ہونگی وہ بھی سب اسی آیت کے تحت میں آکر اسی آیت سے ثابت شدہ ہوجائیں گی خواہ وہ شفقت لسانی ہو یا شفقت قلبی و اخلاقی۔

تلیین دعوت مثلاً شفقت لسانی میں قول کی نرمی آتی ہے جو درحقیقت مبلغ کی تبلیغ کا زیور ہے جس سے تبلیغ آراستہ ہوکر محبوب قلوب بن جاتی ہے اور قلوب کو اپنی طرف جذب کرلیتی ہے جیسا کہ اس کے بالمقابل آواز کی کرختگی زبان کی تیزی اور اخلاق کی شدت و غلظت دلوں کو چھیل ڈالتی ہے اور تبلیغ و مبلغ سے بیگانہ ہی نہیں متنفر کردیتی ہے اسی لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمت و شفقت کا خصوصی ارشاد تھا۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِیْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ۔ — آپ اللہ کی رحمت سے ان لوگوں کے لئے نرم ہوگئے ہیں اگر آپ تندزبان اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے بھاگ جاتے آپ ان کو معاف کردیجئے اور ان کے لئے استغفار کیجئے۔

حضرت موسیٰ و ہرون علیہما السلام کو فرعون جیسے متمرد اور باغی کے حق میں نرمیٔ قول کا حکم دیا گیا ارشاد ہوا۔

اِذْهَبَا اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰی فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّیِّنًا لَّعَلَّهٗ یَتَذَكَّرُ اَوْ یَخْشٰی۔ — تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ۔ اس نے سرکشی کی ہے اس سے نرم باتیں کہو شاید وہ یاد کرے اور خدا سے ڈرے۔

پھر جس طرح مبلغ کے لئے شفقت لسانی ضروری ہے اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ شفقت قلبی اور شفقت خلاقی کی ضرورت ہے کہ درحقیقت نرمیٔ زبان نرمیٔ اخلاق ہی کے تابع ہے ہاں مگر چونکہ نرمی اخلاق کلام کی صفت نہیں بلکہ خود متکلم کی صفت ہے اس لئے اس کی جزئیات داعی الی اللہ کے عنوان کے نیچے آئیں گی۔

تدبیر و تصرف | اسی کے ذیل میں تمام وہ شفقت آمیز تدابیر بھی آجاتی ہیں جو تبلیغ کو موثر بنانے اور مخاطبوں کے دلوں کو کھینچنے کے لئے ضروری ہوں مثلاً مبلغ کے لئے ضروری ہوگا کہ مخلصانہ تبلیغ کے ساتھ ایک ایسا ماحول بھی پیدا کردے جس کے ماتحت لوگ تبلیغ کی طرف خود بخود جھکتے چلے آئیں اور دائرہ تبلیغ وسیع اور مقبول ہوجائے اس سلسلہ میں چونکہ عام طبائع شوکت پسند ہوتی ہیں اس لئے تبلیغ کو موثر بنانے کے لئے مبلغ پر لازم ہے کہ تبلیغ کی پشت پر شوکت و قوت بھی کھڑی کردی جائے تاکہ شوکت پسندوں کو بھی اس کی طرف جھکنے سے چارۂ کار نہ رہے جس کی ایک صورت یہ ہے کہ تبلیغ عام شروع کرنے سے پیشتر مقام تبلیغ کے بااثر افراد کو مقاصد تبلیغ سے مطلع کرکے ان کی ہمدردی حاصل کرلی جائے تاکہ بااثر اور بارسوخ مقامی افراد کی سرپرستی میں یہ پرشوکت تبلیغ عوام کی توجہ کو جذب کرسکے اور اس کا حلقہ خود بخود وسیع ہوجائے۔

آخر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کیوں فرمائی تھی کہ الٰہی اسلام کو عزت دے دو میں سے ایک کو حلقہ بگوش اسلام کرکے عمر بن خطاب یا عمرو بن ہشام (ابوجہل) ان میں سے جو بھی تجھے محبوب ہو۔ اس دعا کی غرض و غایت ہی یہ تھی کہ اسلام میں کس مپرسی کے بجائے شوکت کے آثار نمایاں ہوجائیں تاکہ شوکت پرست طبیعتیں بھی ادھر جھکنے لگیں اور تبلیغ احکام بسہولت ممکن ہوجائے اور راستے کے فتنے دفع ہونے لگیں، چنانچہ فاروق اعظم کے اسلام لاتے ہی اسلام مخفی گھروں سے نکلکر میدان میں آگیا اور اس کی تبلیغ میں آثار شوکت و قوت پیدا ہوگئے۔

یا مثلاً تبلیغ کو انفرادی کرنے کے بجائے جماعتی بنا دیا جانا قلوب کو کھینچ لانے میں زیادہ موثر ہے۔ فرد واحد کا ایک ہی اثر ہے اور جماعت کا مجموعی اثر کچھ اور ہی ہے۔ اسی لئے قرآن حکیم نے جماعتی تبلیغ کا اسوہ قائم فرمایا ارشادِ ربانی ہے۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَثَلًا أَصْحَابَ الْقَرْيَةِ إِذْ اوران کے سامنے اصحاب قریہ کی مثال پیش کیجئے کہ جب ان کے پاس

جَاءَهَا الْمُرْسَلُونَ. إِذْ أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ مبلغ آئے اور جب ہم نے ان کے پاس دو شخصوں کو بھیجا تو انھوں نے ان دونوں

فَكَذَّبُوهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوا إِنَّا إِلَيْكُمْ مُرْسَلُونَ کو جھٹلایا پھر ہم نے ایک تیسرے مبلغ کا اضافہ کر کے ان کو معزز کر دیا اور انھوں نے کہا کہ ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں

یا مثلاً تبلیغ کو منظم بنانے کی صورتیں پیدا کیا جانا کہ اس کی شاخیں ہوں وہ کسی مرکز کی طرف سمٹی ہوئی ہوں اس کا سرمایہ ایک بیت المال کی صورت سے منظم ہو۔ اس کا ایک امیر ہو جس کے احکام کے ماتحت مبلغین نقل وحرکت کریں وغیرہ وغیرہ۔ جیسا کہ قرن اول میں مسجد نبوی مرکز تبلیغ تھی اور وہیں سے جماعتیں اور افراد منتخب ہو کر تبلیغ کے لئے خدا کے ملک میں پھیلتے تھے اور سب کا رجوع اسی قبلہ تبلیغ خطہ اور ذات اقدس نبوی کی طرف رہتا تھا گویا تبلیغ کا مرکز بھی تھا اور محیط بھی جس کے تمام خطوط مرکز کی طرف سمٹتے دکھائی دیتے تھے اور پھر مرکز سے محیط کی طرف پھیلتے ہوئے نظر پڑتے تھے اور اس طرح پر کار تبلیغ ایک اعلیٰ نظم کے ساتھ ہو رہا تھا جس نے صرف دہ سالہ حیات مدنی میں حجاز اور اس کے ماحول کو دائرۂ اسلام میں محصور کر دیا تھا۔ اگر اس قسم کی تدابیر کے ماتحت فرائض تبلیغ ادا کئے جائیں تو لوگ اس پر شوکت تبلیغ کی طرف خود بخود متوجہ ہونے لگیں گے اور ایک ایسی فضا پیدا ہو جائے گی جس میں لوگوں کو تبلیغی مقاصد کی طرف آنا سہل ہی نہیں بلکہ طبعاً پسندیدہ اور مرغوب محسوس ہونے لگے گا۔

بہر حال آیت دعوت سے نفس دعوت اور اس کے اوصاف وطرق کے بارہ میں یہ ۱۷ امور مستنبط ہوئے مقامات کی ضروری تشریح آیت سے ہو گئی تو اب تیسرا مقام مدعوین کی شرح کا آتا ہے کہ دعوت الی اللہ کے سلسلہ میں مخاطبوں اور مدعوین کے اوصاف کیا ہونے چاہئیں یا دوسرے لفظوں میں مبلغوں کو بطور اصول کلی اپنے مخاطبوں کو سب سے پہلے کن اوصاف کی ہدایت کرنی چاہئے جو آئندہ تبلیغ کو موثر اور کارآمد بنا سکیں، یا مخاطب کس کس وضع اور قماش کے ہوتے ہیں کہ مبلغ کو ان کی ذہنی رفتار کا خیال رکھنا چاہئے۔

مدعوین

ظاہر ہے کہ دعوت کی یہ عرض کردہ انواع سہ گانہ اور ان کے اصناف واوصاف جبکہ مخاطبوں کے متفاوت

حالات کے معیار سے وضع کی گئی ہیں تو اسی سے مدعوین کی اقسام بھی خود بخود پیدا ہو جاتی ہیں کیونکہ یہ ایک طبعی اصول ہے کہ سامان دعوت مدعو کے مناسب مذاق ہی تیار کیا جاتا ہے پس جبکہ اس دعوتی دسترخوان پر حصر کے ساتھ حجت کی تین نوعیں لاکر چنی گئیں تو یہی اس کی بھی صاف دلیل ہے کہ مدعو بھی دنیا میں تین ہی قسم کے ہو سکتے ہیں تاکہ ہر ایک نوع کے مناسب حجت کی نوع پیش کی جا سکے۔

اذکیا، (حجت پسند) | ایک وہ کامل الاستعداد طبقہ ہے جن کے قلوب روشن ہوں علم کی صادق طلب اور معرفتِ حق کی سچی تڑپ ان میں بدرجۂ اتم موجود ہو اور وہ ہر مدعا میں صرف ایسی پختہ دلیلوں اور حجتوں کے طلبگار رہے ہوں جو یقینی ہوں اور دلوں میں نور یقین پیدا کر سکیں۔ ظاہر ہے کہ ایسے افراد سے خطاب کی صورت بجز دلائل قطعیہ کے دوسری نہیں ہو سکتی اور اسی کا نام قرآن کی زبان میں حکمت ہے جو آیت ادع الی سبیل ربك بالحکمۃ میں مذکور ہے

اغبیا (منازعت پسند) | اس کے بالمقابل بلکہ اس کی ضد ایک وہ کج فہم طبقہ ہے جن کی طبیعتوں میں سلامتی اور ذوق تحقیق کے بجائے بحث و نزاع کج بحثی اور کٹ حجتی کے جراثیم بھرے ہوئے ہوں ان کے نزدیک سب سے بڑا کمال صرف بولتے رہنا اور خاموش نہ رہنا ہے۔ نہ ان کی بدمذاقی کسی فطری حجت و دلیل کو برداشت کرتی ہے اور نہ انھیں کوئی عقلی استدلال مطمئن کر سکتا ہے۔ اس لئے ان کے حق میں محققانہ کلام سودمند ہی نہیں ہو سکتا بلکہ سم قاتل کا حکم رکھتا ہے انھیں صرف ایسا معارضہ اور الزام ہی خاموش کر سکتا ہے جو اُن کے مسلمات کی رو سے ہو اور اسی رنگ احتجاج کو مجادلہ کہا گیا تھا اس لئے کج بحثوں کے حق میں حکمت کا کلمہ مفید نہیں ہو سکتا بلکہ صرف مجادلہ جس کے مقدمات اگر مسلمہ فریقین ہوں تو اسی کا نام لسانِ قرآن میں مجادلہ حسنہ ہے۔ پس قرآن نے مجادلۂ حسنہ کا باب قائم فرمایا تو گویا اس نے یہ بھی بتا دیا کہ مدعوین کا ایک طبقہ مجادلہ پسند اغبیا کا بھی ہے جس کے سامنے حکمت کی بجائے مجادلت ہی سے کام لینا چاہئے۔

صلحا، (سلامت پسند) | پھر ان دونوں طبقوں کے درمیان ایک بین بین طبقہ ہے جو نہ تو کمالِ فہم اور سلامتیِ ذوق میں حکماء و عقلاء کی حد تک پہنچا ہوا ہے جس کی تسلی خاطر کے لئے دلائل قطعیہ اور حکمت درکار ہو اور نہ بدذوقی میں

اس کا حال اغبیا اور کج بحثوں کا سا ہے کہ اس کے خاموش کرنے کے لئے الزامی حجت اور مجادلہ کی نوبت آئے بلکہ ایک درمیانی حد میں سادہ فطرت اور خلقی سلامت روی پر ہوتا ہے جس کی تفہیم کے لئے واعظانہ خطابیات، اقناعی دلائل، سادہ مثالیں، عام فہم لطائف اور عبرت انگیز حکایات ہی کافی ہوتی ہیں۔ قرآن مجید نے اسی طبقہ کے لئے موعظۂ حسنہ کے طرزِ خطاب کو اختیار کرنے کا امر فرمایا ہے۔

بہرحال یہ ثابت ہو گیا کہ اگر حصر کے ساتھ حجت بیانی کے یہ تین ہی طریقے نکلتے تھے حکمت، مجادلت اور موعظت تو ان کے مقتضا کے مطابق حجت نیوش افراد بھی تین ہی طبقوں میں منحصر نکلے۔ عقلاء اغبیا اور صلحاء اور ہر ایک طبقہ ایک ایک طریقہ کا مقتضا نکلا یعنی حکمت عقلاء کو چاہتی ہے مجادلت اغبیا کو کھینچتی ہے اور موعظت صلحاء کا تقاضا کرتی ہے اسی لئے آیتِ دعوت کے ان تین منصوص طرقِ حجت کے مقتضا سے مخاطبوں کی یہ تین انواع پیدا ہو کر درحقیقت آیت ہی سے ثابت شدہ نکلیں۔

قبول سماع | مخاطبوں کی اس اقتضائی تقسیم سے ان کا وصفِ حسن یہاں سے اور نکلتا ہے جو ان میں بتقاضائے عقل راسخ رہنا چاہئے اور وہ جذبۂ قبولیت اور تسلیم حق ہے یعنی مخاطب کا جوہر یہ ہے کہ وہ دعوت الی اللہ کو سماع قبول سے سنے اور بشرطِ معقولیت ماننے اور تسلیم کر لینے کا جذبہ اپنے اندر رکھے کیونکہ حق تعالیٰ نے جبکہ حجت بیانی کی یہ سہ گانہ قسمیں محض مخاطبوں کے فہم کے تفاوت اور ان کی سمجھ کی مختلف درجات کی وجہ سے فرمائی ہیں تو ان کی غرض وغایت صرف یہی ہو سکتی ہے کہ مخاطب کو انکار کی گنجائش نہ رہے اور بشرطِ عقل وانصاف وہ کلمۂ حق کو قبول کرنے پر اپنے دلی داعیہ سے مجبور ہو جائے۔ اگر یہ غرض نہ ہوتی تو استدلال اور حجت بیانی اور ان کے مختلف طریقوں کی حاجت ہی نہ تھی محض احکام کا بیان کر دیا جانا کافی تھا خواہ کوئی سنے یا نہ سنے اور خواہ قبولیت کی اس میں گنجائش اور استعداد ہو یا نہ ہو۔ گویا داعی الی اللہ صرف اس کا مصداق ہوتا کہ ع کس بشنود یا نشنود من گفتگوئے می کنم

ترکِ اعراض، ترکِ لہو، ترکِ شغب، ترکِ عناد اور قلت سوال | اب غور کرو تو سماع قبول کے اثبات سے اس کی ضد جسے سوءِ قبول کہنا چاہئے اور جو قلب میں دعوت کو راسخ نہ ہونے دے مع اپنی تمام اقسام کے اس آیت سے خود بخود منفی ہو جاتی ہے

مثلاً قلب کا لہو ولعب اور لاابالی پن۔ قلت فکر یا قلبی اعراض اور بے توجہی یا زبان کی بکواس کثرتِ سوال، اور فضول استفسارات یا دور از کار احتمالات وشبہات جو کلام کو رلانے کے لئے کئے جائیں اور جن کی طبعی خاصیت ہی یہ ہے کہ کہ مخاطب کے دل میں داعی کی بات جمنے نہ دیں اور اس پر کسی حیثیت سے بھی متکلم کا اثر نہ ہونے دیں اس آیت دعوت سے مردود ہو جاتے ہیں کیونکہ قاعدہ ہے کہ الامر بالشئی یقتضی النہی عن ضدہ (کسی شے کا حکم دینا اس کی ضد کی ممانعت کی دلیل ہوتا ہے۔) سامع کے ان قبیح اوصاف پر قرآن حکیم نے جدا جدا بھی روشنی ڈالی ہے۔

مثلاً قلبی اعراض اور بے توجہی پر ملامت کرتے ہوئے ہٹ دھرموں اور متعصبوں کی شان بتائی کہ

ولو اسمعهم لتولوا وهم معرضون — اور اگر وہ ان کو سنائیں گے بھی تب بھی وہ پشت پھیر کر چلے جائیں گے اس حال میں کہ وہ اعراض کرنیوالے ہونگے

دوسری جگہ فرمایا۔

بل هم عن ذکر ربهم معرضون — بلکہ وہ اپنے رب کے ذکر سے اعراض کرنے والے ہوں گے۔

یا مثلاً شور وشغب کے بارہ میں قرآن نے دوسری جگہ منکروں کی یہ خصلت تفصیل سے بیان فرمائی ہے کہ کلام حق کو سرے سے سننے ہی کا ارادہ نہیں رکھتے چہ جائیکہ سماعِ قبول سے سنتے حتی کہ شور وشغب سے دوسروں کو بھی نہیں سننے دیتے۔ فرمایا

وقال الذین کفروا لا تسمعوا لهذا القرآن — اور کافروں نے کہا کہ اس قرآن کو مت سنو اور

والغوا فیه لعلکم تغلبون۔ — شور مچاؤ تاکہ تم غالب آجاؤ۔

یا مثلاً قلبی لہو ولعب کے بارہ میں فرمایا۔

ومن الناس من یشتری لهو الحدیث — اور بعض لوگ وہ ہیں جو لغو اور فضول باتیں خریدتے ہیں

لیضل عن سبیل الله بغیر حق و — تاکہ اللہ کے راستے سے بغیر حق کے گمراہ کردیں اور اس کو

یتخذها هزوا۔ — تمسخر اور استہزار کی چیز بنا دیں۔

یا مثلاً حدیث میں کثرتِ سوال کی ممانعت فرمائی گئی جو محض قیل وقال کے لئے ہو اور جس سے واقع شدہ

شک کا مٹانا مقصود نہ ہو بلکہ شکوک کا واقع کرنا اور تکلیف کلام کو مشکوک بنانا منظور ہو۔

نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن کثرۃ السوال وعن قیل وقال وعن اضاعۃ المال (مسلم)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کثرت سوال قیل وقال اور اضاعتِ مال سے منع فرمایا ہے۔

داعی الی اللہ

اب جبکہ مدعوالیہ (دعوتی پروگرام) دعوت اور مدعو کی اقسام وانواع اور متعلقہ احوال آیتِ دعوت کے ماتحت روشنی میں آچکے تو اب داعی اور مبلغ کا درجہ آتا ہے کہ اس کے اوصاف اور آداب وشروط پر اس آیت نے کیا روشنی ڈالی ہے اور مبلغین کے لئے اس سے کیا کیا ہدایتیں مستنبط ہوتی ہیں؟ چونکہ ہدایت وتبلیغ کی کامیابی بہت حد تک مبلغ کے ذاتی اوصاف اس کے اخلاقی کیریکٹر اور اس کی علمی قابلیت پر موقوف ہے اس لئے اس باب میں داعی کے احوال کا موضوع سب سے زیادہ اہم ہے اور مبلغوں کا فرض ہے کہ اُسے زیادہ غور سے پڑھکر اپنی زندگی کو اس مستنبط دستور العمل پر ڈھالنے کی انتہائی سعی کریں اگر وہ صحیح معنی میں مبلغ بننا اور حقیقتاً اپنی تبلیغ کو موثر بنانا چاہتے ہیں ہم نے اسی لئے اس موضوع کو سب سے آخر میں رکھا ہے تاکہ ختم کلام پر یہ موضوع خصوصیت سے قلوب میں اپنا اثر چھوڑ جائے۔ جہانتک غور کیا گیا اس آیت سے بلاواسطہ یا بالواسطہ دعاۃ امت کے وہ اوصاف جن پر تبلیغ ودعوت کے موثر ہونے کا دارومدار ہے اصولاً دو قسم کے نکلتے ہیں ایک وہ جو مبلغ کی ذات کے لئے بطور اس کے وصف کے ضروری ہیں اور دوسرے وہ جو اس کے فعل تبلیغ کے لئے اس میں ناگزیر طریقہ پر ہونے چاہئیں جن کے بغیر اس کے مخاطبوں پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔

مبلغ کے ذاتی اوصاف

علم وبصیرت ذاتی اوصاف کے سلسلہ میں سب سے پہلی چیز مبلغ کے لئے علم وبصیرت ہے جس سے تبلیغ کی اساس قائم ہوتی ہے کیونکہ شرعی مقاصد کی تبلیغی اساس ظاہر ہے کہ جہالت نہیں ہو سکتی۔ جاہل مبلغ تبلیغ ہی نہیں کر سکتا — چہ جائیکہ اس کے موثر غیر موثر ہونے کی بحث سامنے آئے، کیونکہ تبلیغ کی حقیقت ایصال (پہنچانا) ہے اگر خود مبلغ ہی میں وہ چیز نہ ہو جو پہنچائی جانی چاہئے تو وہ پہنچا کس چیز کو سکتا ہے؟ اور اگر علم کے درجہ میں ہو لیکن اس کے پہنچانے کا

ڈھنگ اسے نہ معلوم ہو تو اس کا پہنچانا کیسے موثر ہو سکتا ہے ؟۔

پس حق تعالیٰ نے جب دعوت الی اللہ کے تین طریقے حکمت وموعظت اور مجادلت تجویز کئے اور دعوتی پروگرام سبیل رب کو بتلایا، گویا سبیل رب موجود نہ ہو تو دعوت کا وجود نہیں ہو سکتا اور حکمت وموعظت ومجادلت نہ ہو تو دعوت کا ڈھنگ درست نہیں رہ سکتا تو اس کے صاف معنی یہ نکلے کہ مبلغ سبیلِ رب کا عالم بھی ہو جسے وہ پہنچائے اور حکمت وموعظت ومجادلت میں مبصر بھی ہو جس سے وہ اپنا پیام موثر بنائے۔ مبلغ کے حق میں ضروری ہے کہ وہ کوئی پیشہ ور واعظ یا رسمی لکچرار نہ ہو بلکہ سبیل رب کے مسائل اور انواع دلائل کا عالم ہو جسے مناسب وقت حجت وبرہان کے انتخاب کرنے میں جہالت مانع نہ ہو۔

فہم وفراست اور جبکہ سہ گانہ انواعِ حجت کا عالم ہونا مبلغ کیلئے ضروری ہوا۔ اور یہ تین طریقے تین ہی قسم کی جماعتوں کے لئے تجویز فرمائے گئے جن میں سے ایک ایک طریقہ ایک ایک طبقہ کے لئے مخصوص ہے تو قدرتی طور پر یہ مسئلہ بھی واضح ہو گیا کہ مبلغ میں مخاطبوں کے ان طبقات کی تشخیص کا فہم اور تدبر بھی ہونا چاہئے تاکہ وہ یہ اندازہ کر سکے کہ آیا اس وقت اس کے مخاطب عقلاء اور فلسفی مزاج لوگ ہیں یا سادہ لوح اور سلیم الطبع اشخاص یا کج فہم اور کج بحث افراد ہیں جن کے مناسب وہ حکمت اور مجادلت کے ڈھنگ کا انتخاب کر سکے اگر وہ ان طبقات اور ان کی ذہنیتوں میں تمیز کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا تو گو انواع دلائل کا کتنا ہی بڑا عالم کیوں نہ ہو اس کی تبلیغ کبھی موثر اور نتیجہ خیز نہیں ہو سکتی۔ فرض کیجئے کہ آپ کے سامنے بی اے اور ایم اے کے ڈگری یافتہ افراد کا اجتماع ہو جنھیں چوبیس گھنٹہ عقلیت ستاتی رہتی ہو اور اس لئے وہ دینی مقاصد کو اپنے اس مذاق کے مناسب دلائل سے فلسفیانہ رنگ میں سمجھنا چاہتے ہوں اور چاہتے ہوں کہ قرآن ان کے سامنے ضرور پیش کیا جائے مگر انہی کی زبان میں پیش کیا جائے اگر آپ انھیں واعظانہ خطابیات اور اقناعی دلائل سے سمجھانے لگیں جو اک خالی الذہن اور تشنۂ ہدایت طالب کے سامنے اختیار کیا جاتا ہے یا الزام پسند طبقہ کے سامنے حکیمانہ حقائق کا اظہار کرنے لگیں یا سادہ لوحوں کو الزامی حجتوں سے عاجز کرنے لگیں تو کیا یہ تبلیغ کوئی اچھا اثر پیدا کر سکے گی؟ نہیں بلکہ محض صدا

پہ صحیح ثابت ہوگی؟ اور اس کا کوئی بھی اثر مخاطبوں پر نہ پڑ سکے گا؟ بلکہ اس صورت میں سامعین مبلغ کی ذات کے بارہ میں بری رائے قائم کرنے پر مجبور ہو جائیں گے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مبلغ سے حسن عقیدت مٹکر اس کی تبلیغ ہمیشہ کے لئے بے اثر بلکہ مسدود ہو جائے گی گویا نافہم مبلغ اپنی نافہمانہ تبلیغ سے خود تبلیغ کے راستہ میں نادانستہ روڑے اٹکاتا رہتا ہے اور اسے پتہ بھی نہیں چلتا کہ وہ مبلغ ہو کر تبلیغ کے بارہ میں کیا عمل جراحی کر رہا ہے؟

بہر حال نافہم عالم اور بے بصر مبلغ کے علوم و معارف اسی طرح بے محل ضائع ہوتے رہتے ہیں جس طرح چٹیل میدانوں میں بارش کہ نہ جذب ہی ہوتی ہے کہ سبزہ اُگے اور نہ جمع ہی ہوتی ہے کہ ذریعہ سیرابی بنے اسی لئے ارشاد نبوی ہے۔

کلموا الناس علی قدر عقولھم۔ لوگوں سے اُن کی عقلوں کے مطابق کلام کرو

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا۔

لا تعلقوا الجواھر باعناق الخنازیر۔ جواہرات خنزیروں کی گردنوں میں نہ باندھو۔

دانش و خلق | پھر یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ تبلیغ میں فہم و فراست کے ساتھ دانش و عقل اور اخلاق اسلامی بھی درکار ہیں کہ ان دو جوہروں کے بغیر دعوت الی اللہ کی کوئی ایک نوع بھی اپنے پاؤں نہیں چل سکتی کیونکہ یہ تو پہلے واضح ہو ہی چکا ہے کہ دعوت الی اللہ کے یہ تینوں طریقے حکمت موعظت مجادلت اچھے ڈھنگ سے ہونی چاہئیں جو سامعین کے قلوب میں اچھا اثر پیدا کر سکیں۔ چنانچہ اسی لئے مجادلہ میں بالتی ھی احسن کی قید لگائی گئی۔ موعظت میں حسنہ کی قید لائی گئی اور حکمت کے لفظ ہی میں حسن و خوبی مرعی رکھی گئی تاکہ کوئی نوع بھی مؤثر حسن و خوبی سے خالی نہ رہے ادھر یہ بھی واضح ہو چکا ہے کہ ان میں سے ہر ایک دعوت کا اچھا ڈھنگ اس کے مناسب حال جدا گانہ ہے۔ اب اگر غور کیا جائے تو ان میں سے کسی ایک دعوت کا اچھا ڈھنگ بھی بغیر عقل و دانش اور اخلاق حسنہ کے اچھا نہیں رہ سکتا کیونکہ مجادلہ کا اچھا ڈھنگ یہ ہے کہ معاند اور کج بحث مخاطب کے اشتعال انگیز رویہ سے پیشانی پر بل نہ لایا جائے۔ متانت سے اس کی کج بحثیاں سنکر الزامی حجت سے اُسے لاجواب بنایا جائے

ظاہر ہے کہ یہ بغیر ضبطِ نفس اور صبر کے جوامع الاخلاق ہے اور بغیر عقل و دانش کے ظہور پذیر نہیں ہوسکتا کیونکہ اگر مبلغ میں دانش نہ ہو تو الزامی حجت کی طرف اس کا ذہن ہی منتقل نہیں ہوسکتا اور اگر ضبطِ نفس نہ ہو تو وہ اپنے آپے میں نہیں رہ سکتا کہ متانت کا مظاہرہ ہوسکے۔ اسی طرح موعظت کو بھی حسنہ بنانے میں عقل و دانش کی ضرورت اس لئے ہے کہ تبلیغ کا مضمون ایسے پاکیزہ عنوان اور ڈھنگ سے بیان کیا جائے کہ سادہ لوحوں کے دل روشن ہوجائیں اور وہ حقیقت کا اعتراف کرنے پر آمادہ ہوجائیں اور اخلاق کی اس لئے ضرورت ہے کہ ان سادہ لوحوں کی بے تمیزی اور بدویت سے جو عموماً ایسے افراد سے سرزد ہوتی ہے مبلغ پر کوئی اثر نہ پڑے۔ ایسے ہی عقلاء سے خطاب کرنے میں بھی عقل و دانش اس لئے ضروری ہے کہ اس کے بغیر کلام حکمت اور دلائل بینہ ذہن میں منضبط ہی نہیں ہوسکتیں اور ضبطِ نفس، یا اخلاق کی اس لئے ضرورت ہے کہ جب بال کی کھال نکالنے والے اذکیاء دقیق دقیق شبہات و سوالات پیش کرتے ہیں تو عادۃً مبلغ کو ایک قسم کی جھنجلاہٹ پیدا ہوجاتی ہے اگر وہ اپنے اخلاق سے اس پر غالب نہ آئے تو اس کا کلام حکمت کسی حکمت پسند کے سامنے ہی نہیں آسکتا اور اس صورت میں مبلغ آپے سے باہر ہوکر اپنی ساری تبلیغی عمارت کو خود ہی اپنے ہاتھوں سے گرادے گا۔

پس خطاب اذکیاء و اغبیا سے ہو یا صلحاء سے بہرصورت نفسِ خطاب کے حسن میں عقل کی اور مخاطبوں کی خصوصیات کے لحاظ سے ضبطِ نفس اور حسنِ خلق کی ضرورت ہے ورنہ اس کے بغیر مجادلہ و موعظت اور حکمت کا وہ اچھا ڈھنگ جو قرآن کو مطلوب ہے یعنی مجادلہ کا بالتی ھی احسن ہونا موعظت کا حسنہ ہونا اور حکمت کا فی نفسہ حسن ہونا وجود پذیر ہی نہیں ہوسکتا۔

لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ جس طرح انسانی طبقات کے مراتب و درجات بے انتہا ہیں اسی طرح علم کے مراتب بھی بے شمار ہیں۔ پس جسے جس درجہ کا علم و خلق حاصل ہو اس پر اسی درجہ کی تبلیغ ضروری ہے اور وہ اپنی ہی قابلیت کے مناسب انسانی طبقات منتخب کرسکتا ہے جو اس کی قابلیت سے مستفید ہوسکتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص اپنی اعلیٰ حکمت سے فلسفیوں کو تبلیغ کرسکتا ہے اور دوسرا اپنی ادنیٰ حکمت سے معمولی پڑھے لکھوں کو سمجھا سکتا ہے اور تیسرا اپنی کمتر حکمت سے

ان پڑھوں کو بھی راہِ راست پر لا سکتا ہے تو ان میں سے ہر ایک پر اپنے مناسب طبقہ کو تبلیغ کرنا فرض ہوگا یا مثلاً بعض لوگ فقط جزئیات مسائل کی تبلیغ کر سکتے ہیں بعض لوگ ان کو فقہی رنگ میں سمجھا سکتے ہیں اور بعض ان کی تفہیم فلسفیانہ انداز سے بھی کر سکتے ہیں تو جس کو بھی اپنے رنگ کا طبقہ ملجائے اسے تبلیغ سے روگردانی جائز نہ ہوگی۔ یہی صورت موعظت اور مناظرہ کی بھی ہے ان پڑھوں کے لئے معمولی استعداد کے لوگوں کا وعظ و مجادلہ موثر ہو جاتا ہے اور فلسفی مزاجوں کے لئے اونچی استعداد کے افراد ہی کی موعظت و مجادلت کارگر ہوتی ہے اس لئے جب بھی جس مبلغ کے حسب حال جماعت اس کے سامنے آجائے اسے حکمت و موعظت اور مجادلت سے غافل رہنا جائز نہ ہوگا۔ بہرحال کسی صورت میں بھی تبلیغ سے کنارہ کشی ایک مسلمان کے لئے جائز نہیں ہو سکتی کہ ہر مسلم جو ایمان رکھتا ہے وہ اپنے ایمان کے مطابق علم و معرفت بھی رکھتا ہے اور اسی کے اندازہ سے تبلیغ کا مکلف بھی ہے۔

سعی و عمل | پھر مبلغ کے لئے جیسے علم و بصیرت، فہم و فراست اور دانش و خلق ضروری ہے ایسے ہی عملِ صالح اور تقویٰ و طہارت کی بھی ضرورت ہے کہ اس کے بغیر تبلیغ کا کوئی اثر نمایاں نہیں ہو سکتا۔ دلائل و براہین اور پر جوش تقریریں وہ اثر نہیں دکھلا سکتیں جو ایک مبلغ کی ذاتی سیرت اور عملی زندگی اس کے سادہ کلام میں اثر پیدا کر دیتی ہے۔ نیک عمل مبلغ حقیقتاً خدا کی حجت اور اس کی آیات میں سے ایک آیت ہوتا ہے جسے دیکھکر خود بخود ہزاروں دلائل سامنے آجاتے ہیں اور ہزارہا کج قلوب کا معالجہ خود اس کی ذات اور عملی زندگی بن جاتی ہے ؎

اے لقاءِ تو جوابِ ہر سوال مشکل از تو حل شود بے قیل و قال

اہلِ دل کا قد و قامت زاہدانہ لباس نورانی چہرہ قالغانہ زندگی اور عاشقانہ ہیئت خود ایک مستقل حجت و فلسفہ ہوتی ہے جو دلوں کو سکون و طمانیت بخشتی ہے۔ حضرات صحابہ ورود ہند کے وقت جب سندھ میں پہنچے اور سندھ کے بازاروں سے ان کا گذر ہوا تو ہزارہا انسان محض ان کے چہرے مہرے دیکھکر ایمان لے آئے اور ان کے دلوں نے شہادت دی کہ یہ چہرے جھوٹوں کے چہرے نہیں ہو سکتے۔ گویا کفار و مشرکین کے دلوں سے کفر کا زنگ اور شکوک و شبہات کی آلودگیاں بغیر کسی سوال و جواب کے محض ان مقدسین کی عملی زندگی نے دھو ڈالیں اسی لئے قرآنِ حکیم نے

امر بالمعروف کے وقت خطبا کو پر زور ہدایت فرمائی ہے کہ وہ جو کچھ دوسروں کو بتلائیں پہلے خود بھی اس پر عمل کریں اور جو کچھ کہیں وہ کرکے بھی دکھلائیں۔ ارشادِ حق ہے۔

اَتَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتَابَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔

کیا تم لوگوں کو نیکی کا امر کرتے ہو اور خود اپنے آپ کو بھول جاتے ہو درآنحالیکہ تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو تو پس کیا تم سمجھتے نہیں ہو۔

دوسری جگہ فرمایا۔

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ

اے ایمان والو تم وہ بات کیوں کہتے ہو جسے تم کرتے نہیں۔ اللہ کے نزدیک یہ بات بہت بری ہے کہ تم وہ کہو جسے تم خود نہ کرو۔

تبلیغ کی عملی ترتیب یہی وجہ ہے کہ اسلام نے تبلیغ میں ایک خاص ترتیب قائم فرمائی ہے جس کی ابتدا خود مبلغ کی ذات سے کی ہے یعنی مبلغ پہلے اپنے نفس کو تبلیغ کرکے اُسے نمونۂ عمل بنا کر دکھائے اور اس کے بعد بھی فوراً ہی قوم کو مخاطب نہ بنائے بلکہ اس سے پہلے اپنے اہل و عیال کو تبلیغ کرکے انھیں عمل کا نمونہ بنائے اور پھر اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کو اپنے مقاصد سمجھا کر نمونۂ عمل بنائے پھر اپنے شہر اور پھر اُس کے مضافات میں عمل کے نمونے قائم کرے تب کہیں بیرونی دنیا تک تبلیغ کا درجہ آتا ہے چنانچہ قرآن نے اسی ترتیب کو قائم کرنے کے لئے خود مبلغ کے نفس اور پھر اس کے اہلِ خانہ کے بارہ میں فرمایا۔

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا۔

اے ایمان والو تم اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو دوزخ سے بچاؤ۔

پھر رشتہ داروں کے بارہ میں فرمایا۔

وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ۔	اور اپنے قریب کے رشتہ داروں کو ڈرائیے۔

پھر اہلِ شہر اور مضافات اور اس کے بعد عام اہلِ ملک کے بارہ میں فرمایا۔

لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰی وَمَنْ حَوْلَهَا وَ — تاکہ اہلِ شہر کو اور جو ان کے قرب و جوار میں رہتے ہیں ان کو ڈرائیں اور آپ

تُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ـ — ان لوگوں کو اس جمع ہونے کے دن سے ڈرائیں جس میں کوئی شک نہیں ہے

اور سب سے آخر میں عام دنیا کے لئے فرمایا ـ

لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ـ — تاکہ آپ تمام اہلِ عالم کے لئے نذیر ہوں ـ

اس ترتیب سے صاف واضح ہے کہ تبلیغ کا آغاز اپنے نفس سے کرکے پھر علی الترتیب اس کے دائرہ کو وسیع کیا جانا ہی تبلیغ کو موثر اور ہمہ گیر کر سکتا ہے، بہرحال تبلیغ کا دلوں میں اثر انداز ہونا مبلغ کی ذاتی صلاحیت و عمل پر موقوف ہے کہ بسا اوقات صلاح و عمل کی یہ خاموش زبان ہی تبلیغ کا کام کر جاتی ہے اور بلا کسی تقریر و موعظت کے قلوب فتح ہو جاتے ہیں جو تبلیغ کا اصل مقصد ہے ـ اگر کہا جائے کہ تبلیغ کے لئے سبیلِ رب کا علماً موجود ہونا کافی ہے اس پر خود عامل ہونے کی بھی ایسی کیا ضرورت ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ حقیقی علم بلا عمل کے باقی ہی نہیں رہ سکتا اولاً اس کی بصیرت اور نورانیت مٹتی ہے اور پھر وہ خود ختم ہو جاتا ہے کہ علم کا تحفظ و بقاء صرف عمل ہی سے ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے ـ

هتف العلم بالعمل فان اجاب — علم عمل کو پکارتا ہے اگر اس نے جواب دیا تو خیر اور نہ

والا ارتحل (جامع فضل العلم لابن عبدالبر) — پھر علم کوچ کر جاتا ہے ـ

اللہ سے ڈرنا اور غیر اللہ سے نڈر ہونا

مبلغ کے ان ذاتی اوصاف کے سلسلہ میں جن پر تبلیغ کے اثرات موقوف ہیں سب سے بڑا اور اہم وصف مخلوق سے نڈر ہونا اور اللہ سے ڈرنا ہے یعنی حق کے معاملہ میں جرأت و بیباکی ہونا مرعوبیت اور مداہنت نہ ہونا ـ گویا مبلغ کے لئے ضروری ہے کہ حق اور احکامِ حق کی عظمت کے مقابلہ میں کسی کی عظمت کا خطرہ اس کے قلب میں نہ ہو جس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ مخلوق کا تو کوئی خوف تبلیغِ حق میں مانع نہ ہو اور خالق کا خوف تبلیغِ حق کے لئے داعی ہو ـ انبیاء علیہم السلام جو سرچشمۂ تبلیغ ہیں ـ اس وصف خشیتِ الٰہی اور عدمِ خشیۃِ خلائق میں سب سے زیادہ بلند پایہ اور راسخ القدم ہوتے ہیں ـ ارشادِ ربانی ہے ـ

اَلَّذِیْنَ یُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰہِ وَ — جو لوگ اللہ کے پیغامات پہنچاتے ہیں اور اللہ سے ڈرتے ہیں
یَخْشَوْنَہٗ وَلَا یَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰہَ — اور سوائے اللہ کے کسی اور سے خوف نہیں کرتے اور
وَکَفٰی بِاللّٰہِ حَسِیْبًا۔ — اللہ ہی کافی ہے۔

غور کرو تو اس آیتِ دعوت سے یہ وصف بھی صاف طور پر نکل رہا ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ مخاطب کو کسی چیز کی محض ترغیب دی جائے تو اس کے امتثال پر ترغیب دہندہ کی محض خوشنودی مرتب ہوتی ہے لیکن اگر کسی چیز کا حکم دیا جائے جو لازم اور اٹل ہو تو اس کی تعمیل کی صورت میں حاکم کی پوری ذمہ داری اور قوت محکوم کے ساتھ ہوتی ہے کیونکہ بصورت تعمیل حکم کام حاکم کا انجام پاتا ہے نہ کہ محکوم کا محکوم محض ایک واسطۂ تعمیل ہوتا ہے پس ترغیب کی صورت میں تو مخاطب کے لئے یہ گنجائش ممکن تھی کہ وہ کسی کے ڈر اور خوف سے اس کام کو نہ کرے کیونکہ کام کی ذمہ داری خود اسی کرنے والے پر آتی ہے لیکن حکم کی صورت میں اس کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے کہ قوی حاکم کے احکام کی تعمیل میں کسی اپنے جیسے سے ڈر کر پس و پیش کیا جائے کیونکہ حاکم کی پوری حاکمانہ طاقت اور ذمہ داری اس کی پشت پر ہے اس صورت میں اگر ڈر ہو سکتا ہے تو صرف حاکم کا نہ کہ رعایا کا۔ پس تعمیلِ حکم کی صورت میں صرف حاکم سے ڈرنا اور اس کے سوا رعایا میں سے کسی سے نہ ڈرنا خود حکمِ حاکم کا مقتضا ہے۔ اس صاف وصریح قاعدہ کو پیش نظر رکھکر اب اگر آیتِ دعوت پر غور کیا جائے تو واضح ہوگا کہ یہاں دعوتِ الی اللہ کی ترغیب نہیں دی جا رہی ہے کہ یہ تبلیغ ودعوت مبلغ کے حق میں اس کا ذاتی کام ٹھیرے اور اس کی اپنی ذمہ داری ہو بلکہ احکم الحاکمین کی طرف سے حکم محکم دیا جا رہا ہے جس سے واضح ہے کہ یہ کار دعوت وتبلیغ درحقیقت سرکاری کام ہے مبلغ کا ذاتی نہیں اور اس لئے اس کے نفع نقصان کی ذمہ داری بھی خود خدا پر ہے نہ کہ مبلغ پر۔

استغناء | داعیٔ دین کے ذاتی اوصاف کے سلسلہ میں ایک آخری اور بنیادی وصف استغناء ہے جس کے بغیر تبلیغ کا وقار اور احترام قائم نہیں ہو سکتا۔ لالچی اور خود غرض انسان کبھی میدانِ تبلیغ کا مرد نہیں بن سکتا اور نہ کبھی بیباکانہ تبلیغ کر سکتا ہے گویا خشیت اللہ کے بجائے خشیت الخلق درحقیقت لالچ اور طماعی ہی سے پیدا

ہوتا ہے اور مبلّغ کے قلب میں جب اپنے مستفیدوں سے طمع پیدا ہوگئی تو یقیناً وہ ان کا محتاج ہوگیا اور محتاج انسان کمزور ہوتا ہے اس لئے اس میں تبلیغِ حق کی جرأت پیدا ہی نہیں ہوسکتی اور نہ وہ مخاطبوں پر اپنا اثر قائم کرسکتا ہے۔

آز بگذار و بادشاہی کن

اس لئے مبلغ کا سب سے بڑا جوہر استغنار اور خودداری ہے یہی وجہ ہے کہ انبیار علیہم السلام نے تبلیغی مساعی کے سلسلہ میں خوف وخشیتِ الٰہی اور اتباعِ رسالت کا وعظ سنانے سے پیشتر اپنے جس وصف کا کھول کھول کر اعلان کیا وہ سوائے استغنار کے دوسری چیز نہ تھی چنانچہ حضرت نوح حضرت ہود حضرت صالح حضرت لوط حضرت شعیب علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تبلیغی مواعظ کے سلسلہ میں قرآن نے سب کا ایک ہی قول نقل کیا ہے۔

وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ۔

میں اس کام پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو اللہ رب العلمین کے ذمہ ہے پس تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

مبلغ کے اتنے اہم اور بنیادی مقصد سے یہ آیتِ دعوت جو تبلیغ کا ایک جامع پروگرام اپنے اندر رکھتی ہے، کیسے اغماض کرسکتی تھی؟ چنانچہ استغنار کی طرف بھی اسی آیت میں لطیف اشارہ موجود ہے جو سمجھنے والوں کے لئے کفایت کرتا ہے اور وہ یہ کہ اس آیتِ دعوت میں دعوت الی اللہ کے تمام اصول مقاصد بیان فرماکر اخیر میں اعلان فرمایا گیا کہ

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ۔

بے شبہ تیرا رب خوب اچھی طرح جانتا ہے کہ کون اس کے راستہ سے گمراہ ہوگیا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو بھی خوب جانتا ہے۔

اس سے واضح ہے کہ مبلغ کا فرض محض تبلیغ کی انجام دہی ہے اُسے یہ فکر چھوڑ دینی چاہئے کہ کون ہدایت پر آتا ہے اور کون نہیں۔ بلکہ کون اس کی تبلیغ پر کان دھرتا ہے کون نہیں۔ گویا اسے نتیجہ تبلیغ کا انتظار ہی نہ ہونا چاہئے جس کے یہ معنی ہیں کہ مبلغ کو تبلیغ کے ثمرات سے بھی مستغنی رہنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے پس جس کو کارِ تبلیغ میں

اس درجہ منہمک رہنے کا امر ہے کہ خود اپنے کام کے نتائج کی فکر بھی چھوڑ دے اور اپنی مساعی کے معنوی ثمرات کا خطرہ بھی دل میں نہ لائے تو یہ کیسے ممکن تھا کہ اسی مبلغ کو کارِ تبلیغ کے کسی مادی ثمرہ کی فکر میں غلطاں پیچاں چھوڑ دیا جاتا کیونکہ تبلیغ کا ثمرۂ ہدایت جو مقاصدِ عالیہ میں داخل اور شرعاً مطلوب تھا جب اس سے مبلغ کے قلب کو فارغ کر دیا گیا تو کسی غیر مطلوب اور وہ بھی خسیس ثمرہ (یعنی زر و مال) اور اس کی بھی حریصانہ طلب میں مبلغ کے قلب کو کیسے ملوث چھوڑا جا سکتا تھا؟ بہرحال آیتِ دعوت سے استغنار کا مطلوب ہونا قیاس بالاولویت سے ثابت ہو جاتا ہے جیسے آیت وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ سے کپڑوں کی پاکی کے حکم سے بدن کی پاکی کا حکم بالاولویت ثابت کیا جاتا ہے۔

صبر و تحمل | ان تمام اوصاف و آداب کے بعد جو تبلیغ کا مقدمہ ہیں مبلغ کے لئے چند ایسے بنیادی اوصاف کی بھی ضرورت تھی جو دورانِ تبلیغ میں اس کی تبلیغ کو محکم اور موثر بنا کر اس کی ذات میں جاذبیت پیدا کریں اور ظاہر ہے کہ ان اخلاق کا حاصل مخلوق کی اڑی کڑی جھیلنا اور ان کے معاملات میں ایثار سے کام لینا ہے یعنی صبر، حلم، ضبط اور تحمل وغیرہ جو سلسلۂ تبلیغ کی پختگی اور پائیداری کے لئے بمنزلہ ریڑھ کی ہڈی کے ہیں وجہ یہ ہے کہ دورانِ تبلیغ میں عموماً ناعاقبت اندیشوں یا بدنیتوں کی طرف سے تلخیِ حق کا جواب ایذا رسانی اور سخت کلامی سے دیا جاتا ہے اگر مبلغ میں صبر و ضبط نہ ہو تو اس کے لئے تبلیغ کا میدان کبھی ہموار نہیں ہو سکتا کفار کی قومی ایذا رسانیوں پر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر و تحمل کی ہدایت فرمائی گئی اور آپ نے صبر و ضبط کا عملی نمونہ قائم کر کے دکھا دیا۔

لَتُبْلَوُنَّ فِي أَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ	تمہارا امتحان تمہارے مالوں میں اور جانوں میں لیا جائیگا
مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ	اور تم ان لوگوں سے جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے ہیں
وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا أَذًى كَثِيرًا	اور جنھوں نے شرک کیا تھا سخت تکلیف دہ باتیں سنوگے
وَإِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذَٰلِكَ	اور اگر تم صبر کرو اور ڈرو تو بے شبہ یہ بہت عزم کے کاموں
مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ۔	میں سے ہے۔

چنانچہ قولی ایذا رسانیوں سے آپ کو ساحر، مجنون، کذاب (العیاذ باللہ) سب ہی کچھ کہا گیا لیکن آپ نے

صبر و تحمل سے کام لیکر دعوت وارشاد کا سلسلہ منقطع نہیں فرمایا۔

پھر اسی طرح عملی ایذا رسانیوں کی بھی اُدھر سے کمی نہیں ہوئی، کانٹے آپ کے راستہ میں بچھائے گئے زہر آپ کو دیا گیا۔ سحر آپ پر کرایا گیا۔ طائف میں پتھر آپ کے مارے گئے۔ کتے آپ کے پیچھے لگائے گئے دندان مبارک آپ کا شہید کیا گیا۔ لڑائیاں آپ سے لڑی گئیں، گھر سے بے گھر آپ کو کیا گیا، بائیکاٹ آپ کا کرایا گیا لیکن آپ کے پائے صبر واستقلال میں کوئی ادنیٰ جنبش نہیں ہوئی اور ادا رفرض تبلیغ کے ادا کرنے میں کوئی ادنیٰ خلل نہیں آیا اور ایسا ہوتا بھی کیونکر؟ جبکہ قرآن کا یہ حکم آپ کے ہی لئے تھا۔

فاصبر کما صبر اولوا العزم من الرسل	آپ اولوا العزم پیغمبروں کی طرح صبر کیجئے۔
ولا تستعجل لهم	اور ان کے لئے جلد بازی نہ کیجئے۔
فاصبر صبرا جميلا	پس آپ صبر جمیل کیجئے۔

(باقی آئندہ)

حب سمین

یہ گولیاں ان لوگوں کے لئے اکسیر ہیں جو آئے دن "نزلہ" "زکام" "کھانسی" میں مبتلا رہتے ہیں اور جن کا دماغ اتنا کمزور ہو گیا ہو کہ جہاں ذراسی بے اعتدالی ہوئی چھینکیں آئیں اور نزلہ نے آدبایا۔ سینہ پر بلغم جم گیا کھانسی ہو گئی اور سانس تنگی سے آنے لگا۔ دماغی کام کرنے والے اگر ان گولیوں کا صرف ایک کورس استعمال کرلیں تو وہ نہ صرف دماغ میں بلکہ اپنے سارے بدن میں ایک نئی زندگی محسوس کریں گے۔

چالیس روز کی دوا کی قیمت للعہ رعلاوہ محصول

صدیقی دواخانہ۔ نور گنج۔ دہلی